برصغیر کے غزنوی دور میں مذہبی ہم آہنگی کا تحقیقی جائزہ

*منزہ حیات

Abstract

Ruling period of Muslims in Indo-Pak (Sub-Continent) which was comprised of many centuries, It has been started with victories of Muhammad bin Qasim from South where as Mahmood Ghaznavi also came many times from North. This period has a significant role with political and social scenario in the Sub-Continent. Sometime Mahmood Ghzanvi's attacks in Indian Territory have been flashed with a religious revivalism because temples were also affected in these attacks. However it's a fact that the arrival of Muslims in Sub-Continent was a new phenomenon in local culture. In this perspective, it observed in the article that what wa actual position of religious harmony in Ghaznavi's reign and how the Muslim rulers treated with natives despite having different religion. The article shows the social aspect of past era. It also indicates roots of religious harmony in variable present human society.

Keywords: Sub-Continent, Ghzanvi,s reign, Non Muslims, Religious tolerance.

تعارف:

محمود، امیر سبکتگین کا بڑا بیٹا تھا۔ وہ یکم نومبر ۹۷۱ء کو غزنی میں پیدا ہوا(۱) وہ بچپن سے ہی بڑا ہونہار تھا۔ سبکتگین نے اس کی تعلیم وتربیت کی طرف خود توجہ دی، محمود میں فوجی قیادت کے اوصاف بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اپنے لڑکپن سے اس نے فوجی مہمات میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا ۔۹۹۴ء میں سامانی حکمران امیر نوح بن منصور (م ۹۹۷ء) نے محمود کو نیشاپور میں گورنر مقرر کیا (۲) وہ اس منصب پر چار برس جانفشانی سے کام کرتا رہا سامانی حکمران امیر نوح بن منصور نے اسے سیف الدولہ کا خطاب دیا۔ (۳)

محمود غزنوی جس طرح ایک عظیم فاتح تھا اسی طرح وہ ایک عالم دین، شاعر اور مصنف بھی تھا۔ وہ علماء اور اصحاب کمال کا قدر دان تھا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا دور دور سے علماء اس کے دربار میں آ کر جمع ہو گئے تھے

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

جنہوں نے اس کے لیے کتابیں بھی لکھیں (۴) اس کے دربار میں البیرونی جیسے فلاسفر (۵) فردوسی (۶) جیسے شاعر اور اس دور کے علماء وفضلاء کا جمگھٹا رہتا تھا۔ محمود غزنوی نے ایک فقہی تالیف ''کتاب التفرید'' لکھی فتاویٰ تاتار خانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے (۷) محمود نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ محمود خود بھی بلند مرتبہ شاعر تھا اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا اور عنصری (۸) کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر محکمے کا افسر مقرر کیا (۹)

۹۹۷ء میں امیر سبکتگین کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے لئے اس کے دونوں بیٹوں (اسماعیل اور محمود) میں کشمکش ہوتی رہی (۱۰) بالآخر محمود غزنوی نے ستائیس سال کی عمر میں حکومت سنبھالی۔ مسلمان بادشاہوں میں محمود پہلا شخص ہے جسے خلافت بغداد نے سلطان کا لقب دیا۔ عباسی خلیفہ القادر باللہ (۱۰۳۱ء۔۹۹۱ء) نے محمود غزنوی کے لیے ایک قیمتی خلعت بھیجی اور اسے امین الملت (ملت کا معتمد) اور یمین الدولہ (حکومت کا دایاں ہاتھ) کے خطابات سے نوازا اس طرح محمود، سامانی خاندان (۱۱) کی ماتحتی سے نکل کر خلیفہ کی ماتحتی میں ایک خودمختار حکمران تسلیم کیا گیا۔ (۱۲) اس طرح اس کو خلافت کی طرف سے اس امر کی آشیر باد حاصل ہوگئی کہ وہ گردوپیش کی حکومتوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرلے اور جو مزاحمت کریں ان سے وہ طاقت سے نمٹے۔

سلطان بننے کے بعد محمود نے اپنی سلطنت کو کافی وسیع کیا وہ ایک کامیاب سپہ سالار تھا ۱۰۱۰ء میں محمود نے غور پر لشکر کشی کرتے ہوئے اسے فتح کیا جو والیان غور کے زمانہ تک غزنی کے مطیع رہا (۱۳) سمرقند (۱۰۱۳ء) کے علاقہ کے کئی چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے اس کی اطاعت کر لی اس سے پہلے بخارا اور سمرقند کا شغر کے ایلک خانی حکمرانوں (۱۴) کے قبضہ میں تھے، شمال میں اس نے خوارزم (۱۰۱۵ء) اور بلخ و بخارا (۱۰۲۳ء) پر قبضہ کرلیا اور جنوب میں اس نے رے، اصفہان اور ہمدان (۱۰۲۸ء) فتح کر لیے جو بنی بویہ (۱۵) کے قبضہ میں تھے۔

غزنی پہنچ کر محمود ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور اگلے تیس سال میں وہ سترہ بار ہندوستان آیا اور بارہ مرتبہ بڑے حملے کیے اور مخالفین پر نمایاں کامیابی حاصل کی (۱۶) ہندوستان میں جب اس نے حملے کیے ہیں تو اس وقت ملتان، سندھ اور مکران میں مسلمانوں کی حکومتیں تھیں محمود غزنوی نے شمالی ہندوستان پر حملے کر کے وہاں راجپوت حکمرانوں کو شکستیں دیں مگر اس نے ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا ہندوستان میں صرف پنجاب کو اپنی مملکت کا ایک حصہ بنایا وہ بھی اس لیے کہ جب اس کی افوج ہندوستان آئیں تو پنجاب آ کر حملوں کی تیاری کر سکیں۔ جن اہم مقامات کو اس نے فتح کیا ان میں پشاور، ملتان، نگرکوٹ، متھرا، تھانیسر، قنوج، گوالیار اور سومناتھ قابل ذکر ہیں سومنات پر حملہ کرنے کے چار سال بعد محمود غزنوی کا ۵۹ برس کی عُمر میں ۱۰۳۰ء میں انتقال ہوگیا۔ (۱۷)

غزنی اور ہند حکومتوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا جائزہ:

غزنی دور حکومت میں مذہبی ہم آہنگی کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس دور میں ہندوستان میں محمود غزنوی کی مہمات جس سے غزنی اور ہند کی حکومتوں کے مابین جو تعلقات قائم ہوئے اس حوالہ سے تجزیہ ضروری ہے کہ ان تعلقات میں مذہبی ہم آہنگی کیا رہی اور اگر ہم آہنگی میں رکاوٹ رہی تو اس کی وجوہات مذہبی تھیں یا سیاسی تھیں کیونکہ ہندوستان میں محمود غزنوی کے حملوں کے بارے میں عام طور پر دو رائیں پائی جاتی ہیں: ایک یہ کہ اس نے ہندوستان پر اس لیے حملے کیے کہ وہ یہاں اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا تھا لہٰذا یہ مجاہد اور اسلام کا سپاہی تھا اس نے ہندوستان فتح کر کے یہاں اسلامی حکومت قائم کی۔

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ (ترک) اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اور اسلامی تعلیمات کی بجائے اپنی قبائلی رسومات اور رواج کے زیادہ پابند تھے لہٰذا ترکوں کی ہندوستان میں فتوحات سیاسی مقاصد کے لیے تھیں ان کا مذہبی جوش وجذبہ سے تعلق نہیں۔(۱۸)

برصغیر کی آزادی (۱۹۴۷) کے بعد ہندو فرقہ پرستوں نے ایک مرتبہ پھر سومنات کی بربادی کا تذکرہ کیا تاکہ اسے سیاسی طور پر استعمال کیا جا سکے محمود غزنوی کے بارے میں مؤرخین کی کئی آراء ہیں ایک رائے کے مطابق یہ ایک ایسا حملہ آور تھا کہ جس نے ہندوستان کو تباہ و برباد کیا، مندروں کو مسمار کیا، ان کی دولت لوٹی، ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی بے عزتی کی اور ہندوستان کی پرانی زندگی کو ہلا کر رکھ دیا۔(۱۹)

اس کے برعکس دوسری رائے یہ ہے کہ وہ ایک بہترین جنرل اور باہمت شخص تھا جسے کسی جنگ میں ناکامی نہیں ہوئی اور ایک جنرل کے ساتھ ساتھ وہ ایک عظیم سیاستدان اور حکمران تھا۔ ہندوستان کی فتوحات سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں سے جو دولت ملے اس کی مدد سے وسط ایشیا میں فتوحات کرے اس لیے اس نے ہندوستان میں پنجاب کے سوا کسی علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔ وہ ہندوستان سے نہ صرف مال و دولت لے گیا بلکہ اس کے ساتھ کاریگر، ہنرمند اور دستکار بھی گئے تاکہ غزنی کو خوبصورت شہر بنانے میں ان سے مدد لے چونکہ اس نے ایک بڑی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی اس لیے وہ مذہبی معاملات میں انتہا پسند نہیں تھا اور اس نے مذہبی ہم آہنگی کو ملحوظ رکھا چنانچہ اس نے ہندو فوجیوں کو اپنے لشکر میں ملازم رکھا ہوا تھا۔(۲۰)

اگر ہندوستان میں ہونے والی ان تمام مہمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ ہندوستان کے حکمران افغانستان کے علاقہ کو فتح کرنے کے لئے تدابیر سوچتے رہتے تھے اور وہ فوجی مہم جوئی سے گریز

نہیں کرتے تھے اس لئے سرحد پار سے حکمرانوں کا حملہ معروضی حالات کا تقاضہ تھا۔ ذیل میں اسی تناظر میں محمود غزنوی کی ہندوستان میں مہمات کا مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے:

سلطنت لاہور کے حکمران جے پال نے جب سلطنت غزنی سے کیے گئے معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سرکشی اختیار کی تو محمود غزنوی نے ماضی کے واقعات مدنظر رکھتے ہوئے ضروری سمجھا کہ وہ ہندوستان کے خلاف فوجی کاروائی کرے ۱۰۰۱ء میں محمود ویہند (۲۱) کو فتح کرنے کے لیے دس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہوا اور پشاور کے سامنے خیمہ زن ہوا، جے پال اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا ۲۸ نومبر ۱۰۰۱ء کو دونوں افواج آمنے سامنے ہوئیں لیکن فتح محمود کے حصے میں آئی جے پال گرفتار ہوا اور محمود نے ویہند پر قبضہ کرلیا۔ یہاں جے پال کے حامیوں نے جمع ہوکر ایک دفعہ پھر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا بعدازیں فریقین میں طے پایا کہ سلطنت غزنی کو سالانہ خراج دیا جائے گا چنانچہ جے پال اور دوسرے قیدی خراج دے کر رہا ہوگئے، شکست کھانے کے بعد جے پال نے اس دور کے رواج کے مطابق سلطنت انند پال کے حوالے کردی اور خود چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔ (۲۲) اگلے دو سال تک محمود اپنی سلطنت کے مغربی جھگڑوں اور سیستان کی فتح میں مصروف رہا ان علاقوں کا تعلق مسلم حکومتوں سے تھا جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ محمود غزنوی کی کشور کشائیوں کا سبب مذہبی عدم آہنگی کے اصول سے انحراف نہیں بلکہ اس نے اپنی سیاسی حکمت عملی کے تحت بلاتفریق مذہب سرحدوں کے باہر کاروائی کی اور اپنی سلطنت کو وسعت دی۔

مغربی سرحدوں کی فوجی مہموں سے واپسی پر اس نے یہ دیکھا کہ ہندوستان سے خراج مکمل طور پر ادا نہیں کیا گیا گو لاہور کے راجہ انند پال نے اپنا حصّہ ادا کردیا تھا لیکن بھاطنہ (۲۳) کے ایک باجگذار راجہ بجے راؤ نے اپنا حصّہ روک لیا اور مسلمانوں سے نہایت تلخ رویہ اختیار کرنے کے علاوہ ان عہدیداروں سے تلخ کلامی کرنے لگا جنہیں محمود نے ہندوستان میں تعینات کیا تھا۔ ۱۰۰۳ء میں موسم سرما کے آغاز پر وہ غزنی سے بھاطنہ کی طرف روانہ ہوا۔ والی بھاطنہ بجی راؤ نے ماضی میں سبکتگین اور جے پال کو بھی کبھی خراج نہ دیا تھا کیونکہ اس کے پاس ہاتھیوں کی ایک بڑی فوج تھی سو اس کثرت پہ وہ نازاں تھا، چار دن لڑائی جاری رہی بجی رائے کو شکست ہوئی اور وہ قلعے میں جا کر چھپ گیا محمود نے قلعے کا محاصرہ کرلیا بجی رائے خوفزدہ ہوکر رات کے وقت قلعہ سے بھاگ نکلا محمود کے سپاہیوں نے پیچھا کیا بجی رائے نے ذلت کی گرفتاری پر موت کو ترجیح دی اور اپنا خنجر اپنے سینے میں جھونک دیا محمود نے بھاطنہ شہر اور اس کے مضافات سلطنت غزنی میں شامل کرلیے دو سو اسی ہاتھی اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔ (۲۴)

محمود غزنوی کے عہد حکومت سے ایک صدی قبل سندھ پر قرامطی فرقہ (۲۵) کا تسلط ہو گیا تھا، ملتان کے حاکم شیخ حمید سعدی (۲۶) نے تو امیر سبکتگین کی اطاعت کر لی تھی لیکن شیخ حمید کے پوتے ابوالفتح داؤد بن نصیر بن شیخ حمید نے ایسا رویہ نہ رکھا اور اس خیال سے کہ بھاطنہ کی تسخیر کے بعد محمود کہیں ملتان پر حملہ آور نہ ہو اس نے بجی رائے کی امداد کرنے کی کوشش کی تھی محمود نے اس بات کو محسوس کیا مگر اس وقت خاموشی اختیار کی لیکن ایک سال بعد اس نے داؤد کے خلاف علم جہاد بلند کیا داؤد نے جے پال کے بیٹے انند پال سے مدد مانگی انند پال نے بھی مدد کی لیکن محمود نے داؤد کی فوجی اور افرادی رسد روکنے کے لیے پہلے انند پال کی فوج پر حملہ کر کے اسے شکست دی جس کے نتیجے میں انند پال کشمیر کی طرف بھاگ گیا جس کے بعد محمود ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ داؤد قلعہ میں روپوش ہو گیا سات دن کے محاصرہ کے بعد اس نے سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں اپنے طرز عمل کی معافی کی درخواست پیش کی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہر سال اپنی اطاعت کی علامت کے طور پر دس ہزار اشرفیاں سلطان کی خدمت میں پیش کیا کرے گا۔ سلطان نے ابوالفتح کی درخواست کو قبول کر لیا اور محاصرہ کے آٹھ روز بعد مندرجہ بالا شرط پر صلح کر کے واپسی کا ارادہ کیا جبکہ بھاطنہ کے معاملات ایک ہندو شہزادے سکھ پال کے سپرد کیے جس نے پشاور کے حاکم ابوعلی ہجوری کے ہاتھوں گرفتاری کے بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ (۲۷)

ایک سال کے دوران ہی سکھ پال کی بغاوت نے محمود کو (۶-۱۰۰۵ء) دوبارہ ہندوستان آنے پر مجبور کر دیا کیونکہ اس نے محمود کو ترکوں کے ساتھ مصروف جنگ دیکھ کر نہ صرف اسلام ترک کر کے اپنا آبائی مذہب اختیار کر لیا بلکہ محمود کے سرداروں کو بھی باہر نکال دیا چنانچہ بلخ سے فارغ ہو کر محمود بھاطنہ کی طرف متوجہ ہوا لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی سرحدی امراء نے سکھ پال کو گرفتار کر کے محمود کی خدمت میں پیش کر دیا۔ محمود نے چار لاکھ درہم جو سکھ پال نے پس انداز کیے تھے ضبط کر لیے اور اسے قید میں ڈال دیا۔ (۲۸)

انند پال نے ملتان کے راستے میں محمود کے حملے کے وقت جو رکاوٹ پیدا کی تھی اس سے آئندہ کے عزائم ظاہر ہوتے تھے کہ وہ غزنوی حکومت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور وہ ہر اس قوت کے ساتھ ساز باز کرنے کے لیے آمادہ ہے جو غزنوی حکومت کے لیے چیلنج بن سکے خواہ وہ مسلمانوں کا کوئی منحرف فرقہ ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے محمود کے پاس جنگ کے لیے ایک معقول جواز تھا جس کی بنیادی وجہ مذہبی عدم آہنگی کی بجائے سیاسی بالادستی نظر آتی ہے چنانچہ ۱۰۰۸ء میں محمود نے انند پال پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا جس کا علم انند پال کو ہو گیا چنانچہ اس نے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے مدد کی درخواست کی جس پر سب نے لبیک کہا۔ اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے

راجا فوجیں لے کر پنجاب کی طرف روانہ ہوئے عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں مدد دینے کے لیے دور دور سے رقم بھیجی۔ ہندوستانی افواج کی کمان کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہ تھی کچھ راجے ایک دوسرے سے متنفّر تھے اوران کی فوجوں کا بھی یہی حال تھا گوانند پال کوان سب پر درجہ تفوّق حاصل تھا لیکن اس میں اتنی قوّت نہ تھی کہ کہ سب کو اپنا تابع فرمان بنا کر رکھتا۔(۲۹)

غزنوی اور ہندوستانی افواج کی عسکری حکمت عملی کا تجزیہ کیا جائے تو دونوں میں ایک بنیادی فرق واضح تھا کہ ہندوستانی فوج کے برعکس غزنوی لشکر میں اعلیٰ درجے کی ترتیب اور باقاعدگی تھی محمود کی فوج میں ہندوستان کے قومی سورماؤں سے زیادہ مختلف نسل کے لوگ شامل تھے لیکن سالہا سال کی معرکہ آرائیوں نے ان کو متفق الرائے اور ہم مقصد بنا دیا تھا وہ اپنے راجپوت حریفوں کے برخلاف اپنے حکمران پر بھروسہ رکھتے تھے۔(۳۰)

انند پال اپنی فوج کے ساتھ پشاور کی جانب (ویہند) کی طرف بڑھا محمود نے اپنی سبک رفتار سوچ سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہندوستانی جان پر کھیل جائیں گے اس لیے اس نے احتیاط برتتے ہوئے لشکر کے دونوں جانب خندقیں کھدوا کر چالیس روز تک غنیم کے مقابل پڑا رہا دونوں گروہ اس انتظار میں تھے کہ کون پیش قدمی کرتا ہے جس قدر دیر ہو رہی تھی دشمن کی جمعیت میں بھی ویسے ویسے اضافہ ہوتا جا رہا تھا محمود کو خوف ہوا کہ کہیں دشمن محض کثرت تعداد سے اس کے تجربہ کار سپاہیوں پر غالب نہ آجائے اس لیے اس نے تیراندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر برسائیں اس کے جواب میں تیس ہزار گکھڑ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے دونوں طرف سے خندقیں پھاند کر چڑھ آئے اور مسلمان سواروں پر پل پڑے چشم زدن میں تین ہزار مسلمانوں کو ختم کر دیا یہ صورتحال دیکھ کر محمود سخت پریشان ہوا اور گکھڑوں سے نجات پانے کے بارے میں سوچنے لگا کہ یکا یک انند پال کا ہاتھی گولہ و بارود کی آوازوں سے ڈر کر میدان جنگ سے نکل بھاگا ہندو لشکری یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی تیغ زنی سے ڈر کر انند پال میدن جنگ سے بھاگا ہے ہندوستان کے سب سے بڑے راجا کو اس حالت میں دیکھ کر ہندو لشکریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ خود بھی راہ فرار تلاش کرنے لگے۔(۳۱)

محمود کے خلاف یہی ایک وسیع تر اتّحاد ہوا تھا جو اس بدمزگی پر ختم ہوا اس کے بعد محمود کو ہندوستانی جمعیت کا خوف نہ رہا۔اس اتحاد کی مزاحمت کے نتیجہ میں یہ امر قرین قیاس ہے کہ محمود غزنوی نے ان ریاستوں اور ان کے راجاؤں سے علیحدہ علیحدہ نمٹنے کا تہیہ کر لیا چنانچہ اس کامیابی پر محمود کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور فتح کے فوراً بعد وہ نگر کوٹ کے جنگجوؤں سے معرکہ آرائی کے لیے روانہ ہوا۔(۳۲)

محمود نے دشمن کی بے ترتیبی سے فائدہ اٹھایا اور نگرکوٹ (۳۳) پر دریائے بیاس کے بالائی حصے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع قلعہ بھیم پر جا چڑھا، نگرکوٹ کی راجپوت فوج ویہند کی لڑائی میں گئی ہوئی تھی مگر محمود ان کی واپسی سے پہلے جا موجود ہوا قلعہ کے سات روز کے محاصرہ کے بعد برہمنوں نے کہ وہی اس وقت قلعہ میں موجود تھے دروازہ کھول دیا۔ یہ شمالی ہندوستان کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا اور ایک ڈھلوانی پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اس میں ایک بہت شان دار مندر تھا اس کی چھت اور دروازے قیمتی دھات کے تھے، مندر میں اس قدر دولت تھی کہ کسی بادشاہ کے خزانے میں بھی موجود نہ ہوگی۔ (۳۴)

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مندر اور اس طرح کے دیگر مندر محض عبادت گاہ نہ تھے بلکہ اس کی حیثیت ایک خزانہ کی تھی جس میں قلعہ کے باہر رہنے والوں سے حاصل کردہ نذرانے اور ٹیکسز سے حاصل شدہ رقم جمع کی جاتی تھی اور اس سے فوجی کاروائیوں میں مدد لی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ہی یہ ایک فوجی چھاؤنی کی حیثیت بھی رکھتے تھے چنانچہ نگرکوٹ کے قلعہ پر عسکری غلبہ کے ساتھ محمود غزنوی کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اتنی دولت وصول کی۔

محمود نے ۱۰۰۹ء۔۱۰۰۸ء میں بظاہر گجرات کا رخ اختیار کیا لیکن اس کی غرض یہی تھی کہ اس اتحاد کو، جو انند پال اور دیگر راجگان ہند کے درمیان قائم ہوا تھا توڑ دے۔ محمود کا لشکر نہایت آب وتاب کے ساتھ پہاڑیوں اور وادیوں میں سے گزرتا ہوا اور راستے میں رکاوٹوں کو سر کرتا ہوا چلا انند پال نے ڈر کے مارے پہلے سے ہی صلح کے ایلچی محمود کی خدمت میں روانہ کر دیے کیونکہ وہ محمود سے دوبارہ جنگ کر کے اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا جو تباہی کے مناظر وہ پہلے اپنی رعایا کے لیے دیکھ چکا تھا اس لیے انند پال نے ہندوستانی جمعیت سے علیحدگی اختیار کر کے محمود سے صلح کر لی۔ انند پال نے دو ہزار آدمی محمود کی خدمت میں بھیجے اور ہر سال تیس ہاتھی خراج میں دینے کا وعدہ کیا (۳۵) بعد ازیں محمود غزنوی نے غور پر لشکر کشی کر کے اس کو اپنی سلطنت کا حصہ بنایا۔ (۳۶)

۱۰۱۱ء میں محمود نے تھانیسر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھانیسر میں ایک بت ''جگ سوم'' تھا جو ہندوؤں کے لیے اتنا ہی متبرّک تھا جتنا کہ مسلمانوں کے لیے مکّہ مکرمہ تصور کیا جاتا ہے، ایسے قدیم اور بابرکت مقام پر بے شمار دولت کا ملنا یقینی تھا۔ تھانیسر پر حملہ کرنے کے لیے محمود جب پنجاب پہنچا تو اس نے اس صلح نامہ کے خیال سے جو راجہ انند پال اور محمود کے درمیان ہوا تھا، ایک قاصد انند پال کے پاس بھیجا اور اسے اطلاع دی کہ اس بار میرا ارادہ تھانیسر پر حملہ کرنے کا ہے چونکہ پنجاب سے تھانیسر تک تمام راستہ کی مشکلات کو دور کرنا ہے اس لیے آپ اپنے کچھ قابل اعتماد آدمی ہمارے ساتھ کر دیں تا کہ جو علاقہ آپ کا ہو وہ ہماری فوج کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ (۳۷)

انند پال نے اس حکم کی تعمیل کو اپنی سلطنت کی پائیداری کا سبب سمجھا اور جملہ فرائض مہمان نوازی ادا کیے سوداگروں اور دکانداروں کو حکم دیا کہ وہ رسد کا انتظام کریں اور خود راجا نے اپنا بھائی دو ہزار سواروں کے ساتھ محمود کی خدمت میں روانہ کیا نیز ایک خط محمود کے نام بھیجا کہ میں آپ کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر طرح سے حاضر ہوں اور آپ کا سچا فرمانبردار ہوں لیکن میں ایک عرض آپ سے کرنا چاہتا ہوں کہ تھانیسر کا مندر شہر والوں کی ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے اگر چہ آپ کے مذہب کی رو سے بت شکنی ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے گناہوں کا کفّارہ ہے لیکن نگرکوٹ کے قلعہ کی بت شکنی کر کے آپ یہ مقصد حاصل کر چکے ہیں تھانیسر کے مندر کے سلسلے میں گزارش ہے کہ آپ اسے تاخت وتاراج نہ کریں اور اس کے عوض آپ جو مناسب خیال فرمائیں، طلب کریں یہاں کی رعایا کو اپنا باجگذار بنا کر اپنے ملک واپس تشریف لے جائیں تو میں اس درخواست کی قبولیت کے شکریہ کے طور پر ہر سال پچاس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت اشیاء ارسال خدمت کیا کروں گا۔ محمود غزنوی نے ان باتوں کا جواب یوں دیا کہ میری خواہش ہے کہ ہندوستان سے بت پرستی یک قلم مٹادوں۔(۳۸)

تھانیسر کی فوجی اہمیت کے سبب محمود غزنوی کے اس پر حملہ کا جواز تو تلاش کیا جا سکتا ہے بت پرستی کے انسداد کے لیے طاقت کا استعمال اسلامی تعلیمات کی رو سے محلِ نظر ہے کہ اسلام کا اصول ''لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ''(۳۹) ہے۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چونکہ مندروں کی فوجی اور معاشی حیثیت مسلم ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ فوجی یلغاروں کا نشانہ بنتے تھے، اس کو بت پرستی کے انسداد کی تعبیر میں مؤرخین کی اپنی ترجیحات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

رائے تھانیسر نے تمام ہندوستان کے بڑے راجاؤں کی طرف خطوط روانہ کیے کہ اگر ہم سب مل کر اس طوفان کے مقابل بند نہ باندھیں گے تو یقیناً سارا ملک غرق ہو جائے گا اور کیا چھوٹا اور کیا بڑا کوئی بھی نہ بچ سکے گا (۴۰) لیکن اس سے پہلے کہ راجگان ہند اس پیغام کے مطابق کوئی اتّحاد استوار کرتے محمود حملہ کے لیے سر پر آن کھڑا ہوا تھا رائے تھانیسر نے مایوس ہو کر راہ فرار اختیار کی محمود دہلی کو فتح کرنے کے لیے مشرق کی طرف اور آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن سرداروں نے صلاح نہ دی کیونکہ اس صورت میں اسے انند پال کا دست نگر ہونا پڑتا چنانچہ محمود لاتعداد خادموں کے ساتھ غزنی واپس ہوا۔(۴۱)

۱۰۱۳ء میں راجہ انند پال کا انتقال ہو چکا تھا انند پال کا بیٹا ترلوکن پال مسلمانوں کی طرف کافی مائل تھا لیکن طبعی کمزوری کے سبب انتظام حکومت اس کے بیٹے بھیم کے ہاتھ میں تھا اس نے اپنے دادا انند پال کے طرز عمل سے انحراف کرتے ہوئے غزنی سے رشتہ اتحاد قائم نہ رکھا۔ ۱۰۱۴ء کے شروع میں محمود جب ہندوستان کی طرف متوجّہ

ہوا تو بھیم نے درّہ مرگلہ پر قلعہ بندی کر لی یہ مقام تنگ اور بلندی پر تھا کمک کے پہنچتے ہی وہ نیچے اتر آیا اور لڑائی شروع ہوگئی فتح محمود کی ہوئی۔بھیم ،قلعہ نندونہ (۴۲) کی مورچہ بندی کر کے درّہ کشمیر فرار ہو گیا محمود نے درّہ پر قبضہ کر لیا بہت سا مال غنیمت ساتھ لے کر محمود غزنوی واپس غزنی چلا گیا اس موقع پر بہت سے لوگ مشّرف بہ اسلام بھی ہوئے۔(۴۳)

۱۰۱۵ء اور اس کے بعد کے سالوں میں محمود غزنوی نے کشمیر کی ایک ناکام مہم جس کا مقصد انند پال کے پوتے بھیم کو سزا دینا تھا، کے علاوہ سمرقند اور خوارزم کی مسلم حکومتوں کو جنگی حکمت عملی سے اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔(۴۴)

محمود غزنوی ایک طرف تو بھیم کی سرکشی کو نہ بھولا اور اسی کے ساتھ اسے اندیشہ تھا کہ ہندوستانی ریاستیں متحد ہو کر اس کے لیے خطرہ نہ بن جائیں چنانچہ ۱۰۱۸ء میں محمود نے دوآب (قنوج) کو فتح کرنے کا ارادہ کیا محمود کی فوج ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ترلوکن پال اور اس کا بیٹا بھیم پنجاب سے بھاگ گئے کشمیر کے راجا سالی نے محمود سے صلح کر لی۔غزنوی لشکر برن (۴۵) پر حملہ آور ہوا رائے ہردت اپنے دس ہزار آدمیوں کو لے کر شہر سے باہر نکل آیا سب نے خواہ مجبوری سے یا سچّے دل سے مذہب کی تبدیلی کا اقرار کیا اور بت پرستی سے توبہ کی۔(۴۶)

اس کے بعد محمود جمنا کے کنارے سے ہوتا ہوا مہاون پہنچا وہاں کے راجا گلچند نے اپنی فوجیں گھنے جنگل میں پھیلا دیں محمود کی فوج نے جنگل میں گھس کر مہاون کی افواج سے جنگ کی اور انہیں منتشر کر دیا اکثر سپاہی جمنا میں غرق ہو گئے راجا گلچند نے جو کہ وہاں اپنی بہادری میں مشہور تھا قید کی ذلّت سے بچنے کے لیے پہلے اپنے بیوی بچے کو قتل کیا اور بعد میں خود کو ہلاک کر لیا۔اس قلعہ سے بہت سا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔(۴۷) جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محمود غزنوی کی مہموں کا مقصد بنیادی طور پر ہندوستانی ریاستوں کے دفاع کو کمزور کرنا تھا تا کہ وہ غزنوی حکومت کے لیے خطرہ نہ بنیں چونکہ قلعوں میں مندروں کو عسکری مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، اس لیے حملوں میں وہ بھی نشانہ بنتے رہے۔

مہاون قلعہ کی فتح کے بعد محمود غزنوی کی توجہ متھرا (۴۸) شہر کی طرف ہوئی لیکن جب محمود نے متھرا پر حملہ کیا تو کوئی بھی محمود کے مقابلے پر نہ آیا وہاں کے باشندے اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے۔محمود نے بہت سے مندر نما عمارتوں کا قلع قمع کیا جو شہر اور اس کے اردگرد آباد تھے،ان کی بہت سی دولت حاصل کی سلطان بیس روز قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہوا اسی اثنا میں محمود کو پتہ چلا کہ متھرا سے چند میل کے فاصلے پر دریا کے کنارے واقع سات قلعے بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے بڑی اہمیّت رکھتے ہیں یہ سنتے ہی محمود نے قلعوں کا رخ کیا مگر وہاں کا حاکم بڑا ڈرپوک تھا محمود کی آمد کا سن کر وہ وہاں سے فرار ہو گیا اور اُن قلعوں کے تمام مال و دولت پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔(۴۹)

۱۰۲۱ء میں ہندو راجاؤں کی متحدہ فوج نے قنوج (۵۰) کے راجہ کنور رائے پر حملہ کر دیا اسی دوران جب محمود غزنوی نے قنوج کا رخ کیا تو وہاں کے راجا کنور رائے نے اس سے صلح کر لی تھی یہ سن کر محمود نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کر دی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ وہاں پہنچتا اس پر بندیل کھنڈ کالنجر کے راجا نندا نے قبضہ کر لیا اور اس نے کنور رائے اور اس کے کئی سرداروں کو قتل کر دیا محمود غزنوی اپنے غیر مسلم اتحادیوں کی موت کا بدلہ لینے کے لیے کالنجر کی طرف روانہ ہوا گو یہاں راجہ انند پال کے بیٹے تر لوکن پال اور پوتے بھیم نے راجا نندا کی مدد کے لیے سلطان محمود کی فوج کا راستہ روکا لیکن اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑ جبکہ راجا نندا، محمود کی آمد کا سن کر اس کے خوف سے وہاں سے بھاگ گیا (۵۱)

اس فتح کے بعد محمود کشمیر سے ہوتا ہوا لاہور کی طرف چل پڑا جہاں انند پال کا بیٹا تر لوکن پال حکومت کر رہا تھا اور اس کا بیٹا بھیم پورے اختیارات کے ساتھ قابض تھا چونکہ تر لوکن پال اور بھیم کی حکومت نے غزنوی کی اتحادی ریاست قنوج کے راجہ کے خلاف متحدہ فوج کا ساتھ دیا تھا چنانچہ غزنوی فوج نے لاہور پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ راجہ انند پال کا بیٹا تر لوکن پال اپنے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب خود کو دشمن کے مقابل کمزور سمجھتے ہوئے اجمیر کی طرف بھاگ گیا محمود نے مفتوح صوبوں پر اپنے صوبیدار تعینات کیے اس نے لاہور کا انتظام اپنے قابل اعتماد امیر ایاز کے سپرد کیا اور خود غزنی روانہ ہو گیا اس طرح ہندوستان میں پہلی دفعہ مسلم حکومت کی مستقل بنیاد پڑی۔ (۵۲)

دو سال بعد محمود نے کالنجر کے راجا نندا رائے پر حملہ کا ارادہ کیا جو گزشتہ مہم کے دوران وہ بچ کر نکل گیا تھا جس نے قنوج کے راجا کنور رائے کو محمود غزنوی سے صلح کی پاداش میں قتل کر دیا تھا محمود لاہور کے راستے سے بڑھا اور قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر لیا وہاں کے حاکم نے ۳۵ ہاتھی نذر کیے اور صلح کر لی گوالیار کے حاکم سے صلح کرنے کے بعد محمود راجہ نندا کے علاقہ کالنجر پہنچا اور اس کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا راجہ نندا نے معقول شرائط (۳۰۰ ہاتھیوں کی فراہمی) پر صلح کر لی ۳۰۰ ہاتھی بغیر فیل بانوں کے قلعے سے باہر نکل کر جنگل میں چھوڑ دیئے، محمود کے ترک لشکری، محمود کے حکم پر ہاتھیوں کو پکڑ کر سوار ہو گئے نہ صرف یہ بلکہ راجہ نندا نے محمود کی تعریف میں ہندی اشعار بھی لکھ کر بھیجے ان اشعار کی خوبی و لطافت اور مضمون سے متاثر ہو کر محمود نے راجہ نندا کا ۱۵ اقلعوں پر قبضہ بحال کرنے کا فرمان جاری کیا جن میں کالنجر کا قلعہ بھی شامل تھا راجہ نے فرمان کے شکریہ کے طور پر بیش قیمت جواہرات محمود کی خدمت میں پیش کیے راجہ نندا کے خلوص سے محمود بہت متاثر ہوا اور واپس خوش و خرم غزنی لوٹ گیا۔ (۵۳)

چنانچہ اس نے بعد ازیں بلخ و بخارا کی مسلم سلطنتوں کو اپنی وسیع تر سلطنت کا حصہ بنانے کی کامیاب مہم جوئی بھی کی اس سے محمود غزنوی کی سیاسی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی مہم جوئی مسلم و غیر مسلم کشیدگی

کے پس منظر میں نہیں بلکہ جغرافیائی سیاسی (jeopolitical) صورت حال کے پیش نظر تھی۔

محمود غزنوی ہندوستان کی فوجی مہمات سے اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ یہاں کی ریاستوں کی مرکزیت سومناتھ قلعہ کی وجہ سے ہے کہ ہندوستان کے راجاؤں نے تقریباً دو ہزار گاؤں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لیے وقف کر رکھی تھی جیسا کہ البیرونی نے بتایا ہے کہ فی الحقیقت سومنات کی اہمیت اس کے خزانہ کے باعث تھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ ایک مالدار بحری بندرگاہ کے قریب واقع تھا (۵۴) وہاں ہندوستان کے سب حصوں سے پجاری جمع ہوتے تھے لہٰذا جب تک سومناتھ کی مرکزیت کو ختم نہ کیا جائے گا اس وقت تک کوئی فوجی مہم دیرپا اثرات نہیں چھوڑے گی سومناتھ کی مہم محمود کی فوجی قابلیّت اور ذہانت کا بہترین کارنامہ شمار ہوتی ہے اکتوبر ۱۰۲۵ء میں اپنی باقاعدہ فوج کے ساتھ محمود سومنات کے مندر کی طرف روانہ ہوا۔ محمود اجمیر اور راجپوتانہ کے راستے سے ہوتا ہوا سومناتھ پہنچا، ہندو محمود کی فوج کو دیکھنے کے لیے فصیل پر چڑھ گئے اور پکار پکار کر مسلمانوں سے کہنے لگ گئے کہ سومناتھ دیوتا تم کو اس واسطے یہاں لایا ہے کہ جو مندر تم نے ہندوستان میں توڑے ہیں اُن کی پاداش میں تم کو نیست و نابود کر دے۔ (۵۵) معرکے کا آغاز ہوا، ہندو بے جگری سے لڑے نیز انہیں چاروں طرف سے برابر کمک پہنچ رہی تھی جبکہ مسلمانوں کی قوّت کم ہوتی جا رہی تھی ان دنوں نہروالہ (ریاست گجرات میں واقع) کے حاکم راجا پرم دیو نے ایک بڑا لشکر سومناتھ کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا اس لشکر سے جنگ کرنے میں تین ہزار مسلمان ہلاک ہوئے تھے۔ مگر استقامت اور منصوبہ بندی کے سبب محمود کی فوج کا پلّہ بھاری ہو گیا بالآخر قلعے والوں نے ڈر کے مارے فوراً قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ (۵۶)

بعدازیں سومنات کے معرکہ میں نہروالہ کے حاکم پرم دیو کے معاندانہ کردار کے سبب محمود غزنوی نے اس سے جنگ کرنے کی ٹھانی تو پرم دیو سومنات سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر کندھ کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا اس قلعہ کے چاروں طرف خندق تھی جو کہ پانی سے پر تھی اور اسے عبور کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا آخر محمود کے لشکری غوطہ خوروں نے ایک ایسی جگہ کا پتہ چلا لیا جہاں گہرائی کم تھی اور اسے عبور کرنا ممکن تھا یوں اس خندق کو پار کر کے قلعہ پر حملہ کر دیا گیا پرم دیو اپنا مال و اسباب چھوڑ کر بھیس بدل کر فرار ہو گیا اور محمود نے قلعہ پر اسباب سمیت قبضہ کر لیا۔ نہروالہ کی خوشگوار آب و ہوا کی وجہ سے محمود اسے ہندوستان میں اپنا پایہ تخت بنانا چاہتا تھا لیکن امرائے دربار اس سے متّفق نہ ہوئے لہٰذا اس نے سیاسی حکمت عملی میں مذہبی ہم آہنگی کے اصول کو نظر انداز نہیں ہونے دیا چنانچہ اس نے گجرات کی حکومت وہاں کے راجا دابشلیم (دیوسرم) نامی سومناتھ کے ایک رشی کے سپُرد کی اور خود غزنی کی طرف

راجپوتانہ کی بجائے سندھ کے راستہ واپس لوٹ گیا۔جس سے ظاہر ہوتا ہے محمود غزنوی نے مقامی افراد کو اپنے سیاسی انتظام میں شریک کیا اوران پر اعتماد کیا دابشلیم کچھ دنوں تک شاہی خراج ادا کرتا رہا لیکن اس کی انتظامی طاقت کمزور ہونے کی وجہ سے دشمنوں نے اس کو برطرف کر دیا۔(۵۷) سومناتھ کی مہم اور گجرات کے معرکہ میں اڑھائی سال صرف ہوئے اور وہ ۱۰۲۶ء میں غزنی پہنچ گیا۔(۵۸)

ہندوستان کے لیے محمود کی آخری مہم کا آغاز ۱۰۲۷ء میں ہوا، یہ مہم دریائے سندھ کے کنارے پر آباد جاٹ قبائل کے خلاف تھی کیونکہ انہوں نے سومناتھ سے غزنی واپسی پر سندھ میں محمود کی فوج پر حملہ کیا تھا محمود نے ملتان میں چودہ سو کشتیوں کا بیڑا تیار کروایا اور حملے کے لیے روانہ ہوا جاٹوں نے بھی اپنی چار ہزار کشتیوں سے دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی۔(۵۹)

غزنوی حکومت کے غیر مسلم رعایا سے تعلقات کا جائزہ:

محمود غزنوی نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کی حدود وسیع کرتا چلا گیا۔اس نے ایک طرف کاشغر کی اسلامی ایل خانی حکومت کو، دوسری طرف دیلیموں اور طبرستان کی حکومت، غوریوں کی سرزمین، آخر میں اصفہان اور رے پر لشکر کشی کی جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھر لاہور اور برصغیر پاک و ہند کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتیں ختم کر کے اپنی غزنی کی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سلطان محمود کی یہ لڑائیاں برصغیر پاک و ہند میں اپنا مذہب مسلط کرنے کے لیے نہیں تھیں بلکہ محض سیاسی و اقتصادی حالات اور اپنی سلطنت کی حدود کی توسیع کے زیر اثر پیش آئیں۔

اس میں شک نہیں کہ محمود نہایت دیندار اور سچا مسلمان تھا لیکن تاریخ میں ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جنگ یا قلعہ گیری کے موقع کے سوا اس نے کسی ہندو کو قتل کروایا ہو صرف یہی نہیں بلکہ اس نے متعدد ہندو افسروں اور سپاہیوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا جو اس کے لیے وسط ایشیا اور ایران میں لڑتے رہے۔(۶۰)

محمود غزنوی نے ہندوستان کو بعینہ اسی حالت کفر میں چھوڑا جس میں پایا تھا(۶۱) کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے کوئی لڑائی کی ہو حتیٰ کہ وہ گجرات میں کافی عرصہ رہا لیکن اس نے کسی ایک ہندو کو بھی مسلمان نہیں کیا الغرض محمود ان مسلمانوں میں شمار نہیں ہوسکتا جنہوں نے مذہبی تعصب کی بنا پر اسلام کا علم بلند کیا ہو۔(۶۲) مندروں پر حملوں کے لیے طاقت کا استعمال یقیناً اسلامی تعلیمات کی رو سے محل نظر

ہے کہ اسلام کا اصول ''لَا اِکْـرَاہَ فِـی الـدِّیْنِ '' ہے تاہم اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ طاقت کے ذریعہ عقائد تبدیل کرائے گئے ہوں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چونکہ مندروں کی فوجی اور معاشی حیثیت مسلم ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ فوجی یلغاروں کا نشانہ بنتے تھے باقی اس کو بت پرستی کے انسداد کی تعبیر مؤرخین کی ہے۔

جہاں تک غزنوی دور میں ہندوؤں کے قبول اسلام کے واقعات کا تعلق ہے تو اس کی درج ذیل وجوہات تھیں:

1 ۔ ہندوؤں کے قبول اسلام کی ایک وجہ مسئلہ چھوت (۶۳) تھا جس نے انہیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا اس سلسلہ میں بنیادی کردار ان صوفیاء کرام (شیخ صفی الدین حقانی گازرونی (۱۰۰۷ء-۹۶۲ء) شیخ اسمٰعیل لاہوری (م ۱۰۵۷ء) ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری (۱۰۷۲ء-۱۰۰۹ء) شاہ محمد یوسف گردیزی (۱۱۳۶ء-۱۰۵۸) سلطان سخی سرور (م ۱۱۸۱ء) سید یعقوب صدر دیوان زنجانی (م ۱۲۰۸ء) کا ہے جو غزنوی عہد میں برصغیر آئے۔

2۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ زیادہ تر آریانہ ہندو تھے اکثر وہ قومیں تھیں جو ہندوستان میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتی رہیں ان میں مصری، شامی، عراقی، ایرانی، تورانی، مغل اور ترک بھی تھے لیکن یہ برہمن کے زیر اثر آ چکے تھے اور برہمنوں نے ان لوگوں کو کبھی برہمن، کھشتری اور نہ ویش (۶۴) میں جگہ دی اور نہ کبھی اپنی کسی آریائی ذات میں شامل کیا۔

3۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پنجاب میں بدھ مت کا زیادہ زور رہا ہے ان کے مذہب کا اصول 'اہنسا' ہے یعنی کسی جاندار کو نقصان نہ پہنچانا ہی اعلیٰ مذہب ہے چنانچہ خلافت امویہ کے تحت جب مسلمان وادی سندھ اور ترکستان کی طرف بڑھے تو ان لوگوں نے کہیں مقابلہ نہیں کیا۔ برہمن نے ان کو پہلے ہی ہندو مذہب سے خارج کر دیا تھا بلکہ انہی غیر آریا راجپوتوں کی مدد سے ہندوستان میں ان کا خاتمہ بھی کر چکا تھا لہٰذا اسلام کی سرپرستی ان کے لیے ایک بہت بڑی نعمت تھی۔

4۔ دین ایک ایسی شے ہے کہ بزور تلوار نہیں پھیل سکتا اور ویسے بھی جبری ایمان و عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ محمود غزنوی نے اگر ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے اگر تلوار استعمال کی ہوتی تو ہمیں مفتوحہ علاقوں میں نہ سہی دارالحکومت غزنی میں تو کوئی ہندو نہ ملتا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی اس کے ہندوستانی سپاہیوں کو دارالسلطنت غزنی میں سنکھ بجانے اور بتوں کی پرستش کرنے کی مکمل آزادی تھی مذہبی رواداری کا اصول جس محدود شکل میں اس وقت رائج تھا محمود بھی اس کا قائل تھا اس دور میں محمود کے مخالفین بھی جانتے تھے کہ اس کی اغراض اقتصادی تھیں

مذہبی نہ تھیں اس لئے ان سے دولت تو لے لی گئی لیکن انہیں ایسا مذہب قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جس پر ان کا اعتقاد نہ تھا۔(٦٥)

مندروں کی مسماری:

قرآن مجید میں مسلمانوں کو جب قتال کی پہلی مرتبہ اجازت دی گئی تو اس کی ضرورت اور حکمت ان الفاظ میں بیان کی گئی:

''وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ''(٦٦)

''اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہٹاتا تو خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب گرا دیئے جاتے اور اللہ ضرور مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی مدد کرتے ہیں بے شک اللہ طاقت ور، غالب ہے''

درج بالا آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظلم کو مٹانے کے لیے قتال کا حکم گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کو بھی دیا جاتا رہا ہے کیونکہ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو یہ دنیا ظلم سے بھر جاتی اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہتیں اور دنیا میں امن وسلامتی ختم ہو جاتی (٦٧) گویا وہ ظلم وستم جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تو زمین پر کوئی عبادت گاہ باقی نہیں رہے گی، یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، خانقاہیں اور مسلمانوں کی مساجد سب مٹا دی جائیں گی۔(٦٨) اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبادت گاہوں کو گرانا اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ایک ظالمانہ فعل ہے وہ ان کے انہدام کا نہ صرف مخالف ہے بلکہ وہ دوسری عبادت گاہوں کی بھی اسی طرح حفاظت چاہتا ہے جس طرح مساجد کی حفاظت چاہتا ہے۔

سلطان محمود کے دور میں سیاسی واقتصادی اور فوجی مرکزیت کے حامل کسی مندر پر حملہ دراصل دفاعی اور سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ تھا نہ کہ اس کے پس منظر میں کوئی مذہبی اختلاف تھا غزنوی دور میں جن مندروں پر حملہ کیا گیا وہ کسی نہ کسی مضبوط دفاعی قلعہ کا حصہ تھے (جیسا کہ نگرکوٹ، سومناتھ وغیرہ) اس کے علاوہ وہ مندر دولت کے حوالے سے بھی بہت مشہور تھے کہ کئی کئی گاؤں کی آمدنی ان کے لیے وقف ہوتی تھی یعنی وہاں کے مندر چھاؤنی کا کام دیتے تھے لہٰذا محمود نے قلعوں کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ملحقہ مندروں کو بھی گرایا تا کہ ایک تو وہ دفاعی چھاؤنی کا کام نہ

دے سکیں اور دوسرے وہاں جو مال وزر جمع ہے اسے بھی تقسیم کیا تا کہ وہ اس مال سے دوبارہ ہتھیار خرید کر اس کے ساتھ جنگ نہ کر سکیں یعنی انہیں مالی طور پر کمزور کیا جائے۔اگر اس کا مقصد مخصوص مذہبی جذبہ کے تحت صرف مندروں کی تباہی ہوتا تو ہندوستان آتے ہوئے اس کے راستے میں کئی مندر آئے اس نے ا ن میں سے کسی کو مسمار نہیں کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے بطور عبات گاہ یا بت خانہ مندر گرانے سے دلچسپی نہیں تھی بلکہ ان مندروں سے وابستہ ہندوؤں کی چھاؤنیاں اور مالی ذخیرہ کو ختم کرنا مقصود تھا تا کہ وہ آئندہ اس کے مقابلہ پر نہ آسکیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعض مؤرخین نے اس امر کو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے مسمار قرار دینے کے مترادف خیال کیا حالانکہ محمود کی فوج میں غیر مسلم ہندوستانی شامل تھے اور ان کا علیحدہ دستہ اور علیحدہ کمانڈر ہوتا تھا ایسے افراد کو ان کی عبادت گاہوں کی توہین کر کے اپنے ساتھ وفادار رکھنا ممکن نظر نہیں آتا۔

حال ہی میں بھارتی ریاست کیرالہ کے دارالحکومت تھیرووانا تھاپورام کے سری پدمنا بھا سوامی مندر کے خفیہ تہہ خانہ سے خزانہ برآمد ہوا ہے اس ملنے والے خزانہ کی مالیت ۲۲ ارب ڈالر (ایک ٹریلین بھارتی روپئے) سے تجاوز کر گئی، مندر کے چھ تہہ خانے کھولے جا چکے ہیں جبکہ ساتواں ابھی کھولا جانا باقی ہے مندر سے جو مزید قیمتی اشیاء دریافت ہوئی ہیں ان میں ساڑھے چار سو سونے کے برتن، بیس ہزار یاقوت اور ہیروں سے جڑے تاج، لارڈ وشنو کی چار سو سونے کی کرسیاں جن میں ایک ہزار ہیرے بھی جڑے ہیں شامل ہیں، ساتواں تہہ خانہ کھلنے کے بعد مزید دولت ملنے کی توقع ہے خزانہ کی نگرانی پر مامور سات رکنی پینل کے رکن ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ سی ایس راجن نے بتایا کہ خزانہ کی مالیت اب تک شائع ہونے والی مالیت سے کہیں زیادہ ہے، حتمی فہرست سپریم کورٹ میں پیش کی جائے گی۔(۶۹)

بت شکنی کے ذریعے محمود غزنوی کا مقصد اس کے پجاریوں کے مذہبی جذبات کی توہین نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعہ دولت کے ارتکاز کو ختم کیا تھا، ہندوستان کے بت دولت کے عظیم مرکز بن چکے تھے وہ دولت کی ذخیرہ اندوزی (Hoarding) کا ذریعہ تھے لوگ دولت کی آڑ میں بتوں کے پجاری بن چکے تھے، یہ بت معاشی استحصال کے نظریہ کی علامت تھے، ان پر ضرب کا مقصد معاشی اجارہ داری پر ضرب تھی۔(۷۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں سامری نے بھی یہی کیا تھا کہ لوگوں سے سونا چاندی لے کر انہیں پگھلایا اور بچھڑا بنا دیا، لوگ اس کی پوجا کرنے لگے، حضرت موسیٰ نے اس بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہا دی یوں نہ صرف اس بدعت کا بلکہ دولت کے ارتکاز کا بھی خاتمہ کیا تھا۔

واضح رہے کہ مندرجہ بالا تجزیہ کی بنیاد یہ تاریخی روایت (۷۱) ہے کہ محمود غزنوی نے سومناتھ جیسے

مندروں کومسمار کیا جس کواس کی بت شکنی اورفروغ اسلام کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ مؤرخین میں سے بعض معتبر ناموں نے بت شکنی کے قصہ کو ہی چیلنج کیا ہے اوراس کو ہندو مسلم منافرت پیدا کرنے کی نوآبادیاتی منصوبہ کا حصہ قرار دیا ہے چنانچہ ہندوستان کی مشہور مؤرخ خاتون رومیلا تھاپر، جین مت کی تحریروں اور سنسکرت کے کتبوں سے یہ ثابت کرتی ہے کہ مندر کومسمار نہیں کیا گیا تھا۔محمود غزنوی کے بعد یہ علاقہ عرب اور ایرانی تاجروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا جہاں سومناتھ اوراس کی بندرگاہ پران کی آبادیاں تھیں سنسکرت کے کتبات میں مندر کی تباہی کا کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ ایک جگہ یہ ذکر ہے کہ مندر کے قریب ایک مسلمان تاجر نے مسجد تعمیر کرائی تھی سومناتھ مندر کی تباہی اوراس کے بت کوتوڑنے کوانگریزی دور میں پھیلایا گیا ۱۸۴۲ء میں جب انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو یہ اعلان کیا کہ وہ سومناتھ مندر کے ان دروازوں کوواپس لائیں گے جومحمود اپنے ساتھ لے گیا تھا لیکن جب دروازے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ یہ ہندوستانی دست کاروں کے بنے ہوئے نہیں ہیں لہٰذا یہ آگرہ کے ایک سٹور میں رکھ دیئے گئے۔(۷۲)

محمود غزنوی کے حالات زندگی کے بارے میں لکھا ہے کہ جب اس نے متھرا کا مندر دیکھا تو اس کی شوکت وحشمت دیکھ کر حیران رہ گیا اپنے ایک مکتوب میں لکھتا ہے کہ اگر کوئی ایسی عمارت بنانا چاہے تو لاکھوں سرخ دینار خرچ کر کے بھی نہیں بنا سکتا اور شاید دوسو برس میں بھی ایسی عمارت نہ بن سکے۔(۷۳) یہاں وہ مندر کے حسن وشوکت سے متاثر نظر آرہا ہے بلکہ غزنی میں تو اس نے ہندوؤں کی بود وباش کے لئے ایک محلّہ بھی آباد کر دیا تھا(۷۴)

ایک دفعہ امیر نصر جوخراسان کا امیر تھا اور محمود غزنوی کا چچیتا بھائی تھا، ایک بار وہ سلطان کے پاس ٹھہرا ہوا تھا کہ اس کے زین خانہ سے ایک جڑاؤ لگام چوری ہوگئی، جب چور پکڑا گیا تو وہ ایک ادنیٰ درجہ کا ہندو ملازم تھا، امیر نے حکم دیا کہ اسے باندھ کر بیس کوڑے لگائے جائیں، جب سلطان کو اس بات کا پتہ چلا تو اسے بہت دکھ ہوا اس نے امیر نصر کو کہلا بھیجا کہ ہماری موجودگی میں ہمارے غلاموں کو تازیانے سے پٹواتے ہو اور ہماری ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتے اس کے بعد اسے ایک ماہ تک اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔(۷۵)

موجودہ دور کے بعض وسیع النظر ہندو مؤرخین نے ہندوؤں کے ساتھ محمود غزنوی کی رواداری کا اعتراف اچھی طرح کیا ہے مثلاً ایشور ٹوپا نے لکھا ہے کہ موجودہ دور کے ایک مؤرخ کا خیال ہے جو محمود غزنوی کا ناقد بھی ہے کہ وہ کوئی مبلغ اسلام نہیں تھا، غیر مسلموں کو مسلمان بنانا اس کا مقصد نہیں رہا، الفنسٹن نے بھی یہی لکھا ہے کہ سلطان گجرات میں عرصہ دراز تک رہا، لاہور میں بھی اس کا قیام رہا لیکن اس نے کسی غیر مسلم کو مسلمان نہیں بنایا۔اس نے

ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی فکر ہی نہیں کی ، اس کی مذہبی پالیسی میں رواداری کی خصوصیت تھی اس کے متعلق کہیں یہ ذکر نہیں آتا کہ اس نے کسی ہندو کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا، اس نے کسی بھی فرد کو اپنے ذاتی ضمیر کی بنا پر موت کی سزا نہیں دی، اس نے لڑائی اور محاصرہ کے موقع پر تو ہندوؤں کو ہلاک کیا لیکن کسی اور موقع پر اس کے ہندوؤں کو ہلاک کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا ہے اس کے دور حکومت میں ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی رہی، ان کا تقرر نہ صرف انتظامی امور کے سلسلہ میں کیا جاتا بلکہ وہ فوج میں بھی بحال کیے جاتے ان کے مذہب پر کوئی اعتراض نہ ہوتا جس طرح فوج میں عرب، افغان، دیلمی، خراسانی اور غوری ہوتے وہ بھی ہوتے۔ ہندو لشکری اپنے آقا کی خاطر کرمان، خوارزم اور مرو میں جا کر لڑے، غزنویوں کی فوجی مہمات کی تاریخ میں ہندو فوجی سرداروں میں تلک، سوئیندرائے اور ہج رائے کے نام نمایاں ہیں غزنویوں کی حکومت میں ان ہندو فوجی سرداروں کو اعلیٰ حیثیت حاصل رہی ، وہ بڑے قابل اعتماد سردار سمجھے جاتے ، غزنویوں کے ساتھ ان کی وفاداری اور خدمت گزاری مثال کے طور پر پیش کی جاتی ۔(۷۶)

اس کے علاوہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ محمود غزنوی نے اپنے بھائی اسمٰعیل سے جنگ کی۔ ایلک خان، بکتوزون، غور میں محمد بن سوری، خوارزم میں خمارتاش ، بلخ میں علی تگین اور ترکمانی سلجوقیوں سے معرکہ آرائی کی جو یقیناً اپنی سلطنت کی وسعت یا اس کی حفاظت کی پالیسی کے نقطۂ نظر سے کی گئی تھیں، ظاہر ہے اس میں وہاں ہندوؤں کو مسلمان بنانے یا بت شکنی کا کوئی سوال نہ تھا حتیٰ کہ نہروالہ میں اس نے ایک غیر مسلم دابشلیم کو حاکم مقرر کیا جس سے اس کی مذہبی سے زیادہ معروضی حکمت عملی کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ زمانہ جنگ میں مندر مسمار کرنے کی بحث سے قطع نظر یہ امر بھی تاریخی طور پر مسلم ہے کہ محمود غزنوی کی بابت اس کے دور کے کسی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ زمانہء امن میں اس نے کوئی مندر گرایا ہو۔

غزنوی حکومت میں غیر مسلموں کا حصّہ:

محمود غزنوی ایک فاتح کی حیثیت سے ہندوستان آیا اور پنجاب اس کی سلطنت کا مشرقی سرحدی صوبہ بن گیا جب اس نے اپنی حکومت کو پورے طور پر مستحکم کر لیا تو اس بات کی کوشش کی کہ اپنی پچھلی سختیوں کی کچھ تلافی کرے تا کہ صوبہ کے لوگوں کے دل کسی حد تک اس سے مانوس ہو جائیں چنانچہ اس نے ہندوؤں کو فوجی اور انتظامی اونچے عہدوں پر بھی مقرر کیا۔(۷۷) محمود غزنوی نے خود اپنے دارالسلطنت میں اپنی ہندو عوام کو اپنے الگ محلوں میں بتوں کی پوجا کی اجازت دے رکھی تھی (۷۸) محمود غزنوی نے کالنجر کے شکست خوردہ راجا نندرائے کو اپنے متعلق ہندی میں مدحیہ اشعار کہنے پر شاہی خلعت سے نوازا اور کئی قلعے بخش دیئے۔(۷۹) دیگر ایشیائی فاتحین کی طرح محمود کی فوج

بھی ایک مخلوط فوج تھی لیکن وہ سب ایک کمانڈر کے فرمانبردار تھے جہاں کہیں اچھے سپاہی ملتے محمود انہیں اپنی فوج میں داخل کر لیتا ہندوستانی گو کہ غیر مسلم تھے لیکن فوج میں آزادی سے داخل کیے جاتے تھے جن کا بعد میں ایک ہندو کی سرداری میں ایک علیحدہ دستہ بنا دیا گیا اور محمود کے سرداروں میں اس سردار کی بڑی عزّت کی جاتی تھی۔(۸۰) چنانچہ عربوں اور کردوں کی طرح ہندوؤں کا بھی ایک لشکر تھا جس کا سربراہ ''سپہ سالار ہندواں'' کہلاتا تھا بعض معاملات میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں پر اعتماد کیا جاتا تھا اور وہ اس اعتماد کے قابل بھی تھے(۸۱) ۱۰۳۰ء(۴۲۱ھ) میں جب محمود کے آئینی جانشین امیر محمد بن محمود کو امیر ایاز بن اسحاق اور ابو اعلیٰ دایہ جیسے مسلمان امراء بھی چھوڑ گئے تو ہندوؤں نے امیر محمد کا ساتھ دیا اور امیر محمد کا قابل اعتبار ہندو امیر سویند رائے امیر ایاز کے تعاقب میں مارا گیا۔(۸۲) اسی طرح ایک باغی ترک جرنیل اسبغ تگین جب پکڑا گیا تو اسے بحفاظت غزنی پہنچانے کے لیے ہندوؤں کے ایک دستہ کو قابل اعتماد خیال کرتے ہوئے بھیجا گیا۔(۸۳)

محمود غزنوی سلطنت کے انتظام کو ایک عملی مسئلہ سمجھتا تھا جس کا مذہب سے تعلق ضروری نہیں تھا اگر ایک طرف اس نے ہندوؤں کے کچھ مندر تباہ کیے تو دوسری طرف اس نے اپنی فوج میں تین ہندو ڈویژن بھی شامل کیے ان ہندو سپہ سالاروں نے جنہوں نے عروج حاصل کیا ان میں ناتھ اور تلک خاص طور پر مشہور ہیں۔(۸۴) ناتھ کی وفا شعاری پر مسعود غزنوی کو اس قدر اعتماد تھا کہ اسے ۱۰۳۳ء میں لاہور کے سپہ سالار احمد نیالتگین کی بغاوت کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور جب وہ کئی فتوحات کے بعد لڑائی میں مارا گیا تو مسعود نے اس کی جگہ اس کا ہم مذہب تلک بن حسین نامزد کیا جس میں نیالتگین کو شکست ہوئی۔(۸۵) جبکہ تلک ایک نیچ ذات کا ہندو تھا اس نے محمود غزنوی کے دربار میں ملازمت اختیار کی اور ہندی و فارسی دونوں زبانوں میں ترجمہ کی صلاحیت اور حاضر دماغی کے سبب غزنوی سلطنت میں اقتدار کے اعلیٰ منصب کی ترقی تک جا پہنچا اسے سب سے بڑا موقع اس وقت ملا جب مسعود غزنوی نے اسے مسلمان جرنیلوں پر فوقیت دیتے ہوئے غزنوی گورنر احمد نیالتگین کے خلاف تادیبی کاروئی کی غرض سے فوج کا سربراہ بنا کر بھیجا اس گورنر نے بنارس پر قبضہ کر لیا تھا تلک نے اپنے ایک ایسے لشکر سے جس میں اکثریت ہندوؤں کی تھی نیالتگین کو شکست دے کر اسے قتل کر ڈالا اور اسی دوران اس نے ہندو جاٹوں کو غزنویوں کی مدد کے لیے ہموار کر کے مسلمان ترکمانوں کو زیر کر لیا ہندو صوبہ جات پر غزنویوں کی از سر نو گرفت مضبوط کرا دینے کی وجہ سے مسعود غزنوی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔(۸۶)

سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۰۳ء میں سیستان(۸۷) میں ایک بغاوت فرو کرنے کے لیے ہندوؤں کے

لشکر کو بھیجا جس نے زرنج (۸۸) میں مسلمانوں کا بے رحمی کے ساتھ قتل عام کیا حتیٰ کہ جامع مسجد میں پناہ گزیں مسلمانوں اور گرجوں میں پناہ گزیں عیسائیوں کو بھی نہ چھوڑا جس کا اسلامی تعلیمات کی رو سے کوئی جواز نہ تھا اور یہ اس لشکر کی عاقبت نا اندیشی کا غماز ہے ظاہر ہے کہ اس کو اسلامی تعلیمات سے کوئی واقفیت نہ تھی انہیں تو صرف حکم کی تعمیل اور حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے سے غرض تھی محمود کے دور میں ہی غزنی میں ہندوؤں کا پورا محلّہ آباد ہو گیا تھا جہاں انہیں بت پرستی کی مکمل آزادی تھی دارالحکومت میں ہندوستانی امور کے لیے ایک الگ شعبہ قائم ہو گیا تھا جس میں ہندو ترجمانی اور دبیری کے عہدوں پر فائز کیے گئے۔(۸۹)

جس طرح محمد بن قاسم کے دور میں برہمنوں کو اعلیٰ عہدے دیئے گئے جن کے لیے وہ بہ اعتبار اپنی تعلیم کے حقدار تھے، نیز چھوٹے چھوٹے علاقوں اور محاصل کا انتظام کلیتاً ہندوؤں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا گیا تھا سو اسی طرح جب محمود غزنوی نے پنجاب کا الحاق کیا تو اسی مثال کی تقلید کی کیونکہ سلطان محمود ہندو عہدہ داروں کے فنّی علم کے بغیر کام نہیں چلا سکتا تھا۔(۹۰) محمود غزنوی چاہتا تھا کہ اس کا اپنا شہر غزنی وسطی اور مغربی ایشیا کے بڑے شہروں کی ٹکر کا ہو جائے اور اس مقصد کے لیے وہ ہندوستان سے اس زمانہ کے بہترین صناعوں اور کاریگروں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ غزنی لے گیا (۹۱) غزنی میں محمود کے جیل خانہ کا سارا عملہ ہندو تھا اور ان کے انچارج کا رتبہ حاجب کے برابر تھا حاجب بزرگ کے عہدہ سے نیچے کے تمام عہدے ہندوؤں پر کھلے تھے۔(۹۲)

نتائج تحقیق:

مذکورہ بالا تفصیلات ہمیں ان نتائج تک پہنچنے میں مدد دیتی ہیں:

۱۔ محمود غزنوی نے جنگ یا قلعہ گیری کے موقع کے سوا کسی ہندو کو قتل نہیں کروایا بلکہ اس کے برعکس اس نے متعدد ہندو افسروں اور سپاہیوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا جو اس کے لیے وسط ایشیا اور ایران میں لڑتے رہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے ہاں مذہبی ہم آہنگی کو نظام سلطنت میں بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

۲۔ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہندو مندروں کی کثیر تعداد بدستور موجود رہے اور ان کو طاقت کے بل بوتے پر مسمار نہیں کیا گیا۔ غزنوی دور میں جن مندروں پر حملہ کا ذکر ملتا ہے وہ کسی نہ کسی مضبوط دفاعی قلعہ کا حصہ تھے۔ (جیسا کہ نگر کوٹ، سومناتھ وغیرہ) اور یہ مندر چھاؤنی کا کام بھی دیتے تھے لہٰذا محمود کے قلعوں کے ساتھ ملحقہ مندروں پر حملہ کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ ایک تو وہ دفاعی چھاؤنی کا کام نہ دے سکیں اور دوسرے وہاں جو مال و زر جمع ہے اسے بھی تقسیم کیا جائے تا کہ مقابل فریق اس مال سے دوبارہ ہتھیار خرید کر اس کے ساتھ جنگ نہ کر سکیں یعنی

انہیں عسکری طور پر کمزور کیا جائے۔ گویا اس کی حکمت عملی مذہبی تشدد سے زیادہ عسکری نوعیت کی تھی جس کو مذہبی عدم آہنگی کے نقطہ نظر سے پرکھنا تاریخی حوالہ سے کمزور نظر آتا ہے۔

۳۔ زمانہ جنگ میں مندر مسمار کرنے کی بحث سے قطع نظر یہ امر بھی تاریخی طور پر مسلم ہے کہ محمود غزنوی کی بابت اس کے دور کے کسی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ زمانہ امن میں اس نے کوئی مندر گرایا ہو۔

۴۔ محمود غزنوی سلطنت کے انتظام کو ایک عملی مسئلہ سمجھتا تھا جس کا مذہب سے تعلق ضروری نہیں تھا اگر ایک طرف اس نے ہندوؤں کے کچھ مندر تباہ کیے تو دوسری طرف اس نے اپنی فوج میں تین ہندو ڈویژن بھی شامل کیے ان ہندو سپہ سالاروں نے جنہوں نے عروج حاصل کیا ان میں ناتھ اور تلک خاص طور پر مشہور ہیں جو اس کے دور کی مذہبی ہم آہنگی کا ایک نمایاں ثبوت ہے۔

۵۔ غزنوی دور میں مسلم اور غیر مسلم آبادیاں ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت اور ہم آہنگی کی فضا میں رہیں اور انہوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھا ان کے درمیان کسی موقع پر آویزش کسی طور اسلام کی دینی تعلیمات کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے اپنے معروضی حالات تھے۔

۶۔ برصغیر کی علمی ترقی اور ثقافتی ہم آہنگی میں غزنوی دور سمیت مسلم دور کا ایک اہم کردار ہے اور اس دور کے تسلسل میں آج کا بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش سمیت جنوبی ایشیا کے تمام ممالک اپنے باہمی تعلقات کا درست نہج اختیار کر سکتے ہیں اور ان ممالک کا داخلی نظام بھی باہمی رواداری کا نمونہ بن سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، مترجم غلام رسول مہر، اردو سائنس بورڈ اپر مال، لاہور ۲۰۰۴ء،، ج ۱، ص ۴۱۱

۲۔ امیر نوح بن منصور نے قرامطیوں کے فتنہ کے خلاف امیر سبکتگین سے مدد طلب کیونکہ حاکم غزنی سبکتگین کے مقابلہ میں سامانیوں کی قوت کمزور ہو چکی تھی امیر سبکتگین نے طالقان کے قریب قرمطیوں کو زبردست شکست دے کر ناصر الدولہ لقب پایا جبکہ ابوعلی سیجور کے خلاف لڑائی میں امیر نوح نے اپنی فوج بھی سبکتگین کی کمان میں دے دی۔ ابوعلی سیجور شکست کھا کر رے کی طرف چلا گیا امیر نوح نے نیشاپور کی حکومت سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود کے حوالے کر دی۔ جوزجانی، طبقات ناصری، مترجم ممتاز لیاقت، سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور ۲۰۰۴، ص ۱۰۶

۳۔ جوزجانی، طبقات ناصری، مترجم ممتاز لیاقت، ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان ج ۱، ص ۲۶۱، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۱

۴۔ ابن اثیر، علی بن عبدالواحد، الکامل فی التاریخ، دارالفکر بیروت ۱۹۷۸ء، ج ۲، ص ۱۲۲۰

۵۔ البیرونی (۹۷۳ء۔۱۰۴۹ء) اپنے دور کا سب سے بڑا محقق اور سائنسدان تھا۔اس نے ریاضی، علم ہیئت، جغرافیہ اور تاریخ میں ایسی کتابیں تحریر کیں جو اب تک شوق سے پڑھی جاتی ہیں ان میں ایک کتاب الہند ہے جس میں ہندوؤں کے مذہبی عقائد، ان کی تاریخ اور پاک و ہند کے جغرافیائی حالات بڑی تحقیق سے لکھے ہیں۔اس کتابنے ہندوستان اور مسلم دنیا کے درمیان ایک پل کا کام کیا اور ان دو مختلف کلچروں کو آپس میں ملا کر مفاہمت کی فضا کو پیدا کیا۔ایک کتاب قانون مسعودی ہے جو اس نے سلطان محمود کے بیٹے مسعود کے نام سے معنون کی یہ علم فلکیات اور ریاضی کی بڑی اہم کتاب ہے۔ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص ۲۶۵

۶۔ فردوسی نے شاہنامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی اس کتاب میں نہ تو محمود کی فتوحات کا بیان ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے شاندار کارناموں کا۔اس میں اسلام سے پہلے کے ایرانی بادشاہوں کے حالات اتنی خوبی سے لکھے گئے ہیں کہ یہ شاہنامہ فارسی شاعری کا ایک شاہکار سمجھا جاتا ہے اور دنیا اسے آج تک دلچسپی سے پڑھتی ہے۔ثروت صولت: ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ج ۱، ص ۲۶۴

۷۔ عبدالحئ حسنی: نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، س۔ن، ج ۱، ص ۹۵

۸۔ محمود کے دربار سے چار سو شاعر متعلق تھے اور یہ سب عنصر کی شاگردی پر نازاں تھے۔عنصری کو محمود کے دربار میں ایک خاص مقام حاصل تھا ہر شاعر کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنی نظم عنصری کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔عنصری اگر اسے مناسب سمجھے تو بادشاہ تک پہنچائے ورنہ واپس کر دے۔عنصری کا ایک طویل قصیدہ بہت مشہور ہے جس میں اس نے سلطان محمود کی تمام معرکہ آرائیوں کو نظم کیا ہے۔فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مترجم خواجہ عبدالحی، ج ۱، ص ۱۴۰، بک ٹاک ٹیمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۱ء، ذکاءاللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ۱، ص ۲۶۱

۹۔ محمد قاسم، فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۱۴۰

۱۰۔ امیر ناصرالدین سبکتگین کی وفات کے وقت محمود نیشاپور میں مقیم تھا اس لیے اس کا چھوٹا بھائی امیر اسمٰعیل اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق بلخ میں اس کا جانشین ہوا۔محمود نے خط و کتابت کے ذریعے اسمٰعیل کو بلخ اور بخارا کی حکومت پیش کی بشرطیکہ وہ غزنی کا ملک محمود کے حوالے کر دے لیکن اسمٰعیل نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔دونوں میں لڑائی ہوئی جس میں اسمٰعیل مغلوب ہوا۔لڑائی کے کچھ دن بعد اسے جرجان کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۸۲، ذکاءاللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان ج ۱، ص ۲۶۴

۱۱۔ سامانی سلطنت کا خاتمہ، امیر نوح بن منصور ۹۹۹ء کے بعد اس کا بیٹا منصور دوم کے لقب سے تخت نشین ہوا اس نے سپہ سالاری کا عہدہ فائق خاصہ کے حوالے کر دیا مگر وہ ایلک خان سے مل گیا اور اس کی ایما پر بخارا پر چڑھائی کر دی امیر

منصور بخارا سے آمل کی طرف نکل گیا۔ فائق خاصہ نے تعاقب کیا اور اپنی غلطی پر پشیمانی کا اظہار کر کے پھر منصور سے مل گیا۔ امیر منصور نے لشکر کشی کا منصب اسی کے پاس رہنے دیا اور بکتو زون کو خراسان کی سالاری دے دی۔ امیر محمود غزنوی اپنے باپ کی وفات پر غزنی چلا گیا تھا، بکتو زون اس کے نائب ابوالقاسم سیجوری کو قتل کر کے نیشاپور اور خراسان پر قابض ہو گیا۔ امیر محمود کو خبر ملی تو وہ لشکر کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھا۔ بکتو زون اس کے مقابلہ کی سکت نہ پا کر امیر منصور اور فائق خاصہ کے پاس مرو چلا گیا۔ پھر جب امیر منصور سرخس میں تھا، بکتو زون اور فائق خاصہ نے سازش کر کے ۹۹۹ء (۳۸۹ھ) میں منصور کو امارت سے معزول کر دیا اور مرو پہنچ کر اس کے بھائی ابوالفوارس عبدالملک کو تخت پر بٹھا دیا، بکتو زون نے منصور کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی، امیر محمود کو امیر منصور کے ساتھ جب ظلم کی خبر ملی اس وقت وہ بلخ میں تھا۔ وہ تیزی سے مرو پہنچا لیکن فائق خاصہ اور بکتو زون نے اپنے کیے پر پچھتاوے کا اظہار کیا اور فریقین میں صلح ہو گئی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ہرات و بلخ محمود کے حوالے کر دیئے جائیں، مرو اور نیشاپور بکتو زون اور فائق کے قبضہ میں رہیں۔ امیر محمود صلح کے بعد بلخ چلا گیا۔

۹۹۹ء میں فرغانہ کے خان بزرگ کے بھائی امیر ابوالحسن ایلک نصر بن علی نے امیر ابوالفوارس عبدالملک بن نوح کی مدد کے بہانے بخارا کی طرف پیش قدمی کی لیکن جب امرائے بخارا اس کے استقبال کے لیے شہر سے نکلے تو اس نے سب کو گرفتار کر لیا اور بخارا میں داخل ہو گیا۔ امیر عبدالملک کو گرفتار کر کے روز جند بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد امیر عبدالملک کے بھائی ابواسمٰعیل ابراہیم منتصر نے کم و بیش چھ سال ایلک خانیوں سے جنگ جاری رکھی۔ آخر شکست کھا کر نواح بخارا کے ایک خانہ بدوش قبیلہ کے سردار کے پاس پناہ گزیں ہوا لیکن اس سردار نے غداری کر کے ۱۰۰۵ء (۳۹۵ھ) میں اسے شہید کر ڈالا اور یوں سامانیوں کی حکومت ۱۲۸ سال بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ محمود غزنوی کو جب اس بات کی خبر ملی تو اس نے اس سردار کو موت کی سزا دی۔ جوزجانی، طبقات ناصری، مترجم ممتاز لیاقت، ص ۱۰۷

۱۲۔ ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ۱، ص ۲۶۵

۱۳۔ غور پر لشکر کشی، ۱۰۱۰ء میں محمود نے غور (کابل اور ہرات کے درمیان کا پہاڑی علاقہ غور کہلاتا تھا، اس علاقہ کا مرکز فیروزکوہ تھا، غور کے باشندے نسلاً پٹھان تھے) پر حملہ کیا محمد بن غور حاکم غور اپنے گرد خندق کھود کر صبح سے دوپہر تک معرکہ آرائی میں مصروف رہے۔ محمود نے دشمن کو دھوکا دینے کے لیے شکست کا تاثر دیا اور پیچھے ہٹنے لگا، غوریوں نے فراری لشکر کا تعاقب کیا اور اپنی کھودی ہوئی خندقیں عبور کر کے کھلے میدان میں پیچھا کرنے لگے محمود نے گھوڑے کی باگ واپس پھیر دی اور غوریوں پر ایک زبردست حملہ کیا، لشکر کا بیشتر حصہ موت کے گھاٹ اتارا محمد بن غوری گرفتار ہو کر محمود کے سامنے لایا گیا لیکن اس بے عزتی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس نے زہر آلود نگینہ چوس لیا اور زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ غوری کی وفات کے بعد اس کا ملک محمود کے قبضے میں آ گیا۔ ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ۱، ص ۲۷۴

۱۴۔ ایک خانی خاندان کی حکومت کا زمانہ ۳۸۰ھ۔۶۰۹ھ تک کا ہے یہ خالص ترک خاندان تھا اور اس کا دارالحکومت

شروع میں جھیل بالکش کے جنوب میں بلاساغون تھا پھر کاشغر ہوااور سامانی حکومت کے خاتمہ کے بعد ۹۹۸ء/ ۳۸۹ھ میں سمر قند اس کا دارالحکومت بن گیا۔محمود غزنوی نے سمرقند فتح کرنے کے بعد ایلک خانی حکومت سے تصفیہ کر لیا تھا کہ دریائے جیحوں دونوں سلطنتوں کے درمیان حد قرار پائے گا۔ بعد میں ان حکمرانوں نے سلجوقی اور خوارزم شاہی سلطنت کی اطاعت کر لی تھی اوران کی حکومت نیم خود مختار حیثیت رکھتی تھی اس زمانہ کی روایت کے مطابق یہ مسلمان حکمران علم وادب کے سرپرست بھی تھے۔مشہور سائنسدان عمر خیام کا ابتدائی تعلق اسی خاندان کے ایک حکمران شمس الملک (۱۰۶۸ء۔۱۰۸۰ء) کے دربار سے تھا۔ ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ج ا،ص ۲۴۸

۱۵۔ سامانیوں کی طرح دوسری بڑی حکومت جو اس زمانہ میں قائم ہوئی وہ بنی بویہ (۳۳۴ھ۔۴۴۷ھ) کی تھی اس خاندان کا جد امجد ابوشجاع بویہ تھا چونکہ اس خاندان کا تعلق مازندران کے علاقہ دیلم سے تھا اس لیے بنی بویہ کو دیالمہ بھی کہا جاتا ہے۔سامانیوں کی طرح یہ بھی ایک ایرانی خاندان تھا۔اس حکومت کے بانی تین بھائی علی، حسن اور احمد تھے جنہوں نے بالترتیب عمادالدولہ، رکن الدولہ اور معزالدولہ کے لقب اختیار کیے اور ایران اور عراق میں الگ الگ حکومتیں قائم کیں عمادالدولہ ان کا مرکزی سربراہ تھا۔ بغداد پر اس خاندان کے حکمران معزالدولہ نے ۳۳۴ھ میں قبضہ کیا تھا۔عراق کا پورا ملک اور خراسان چھوڑ کر باقی ایران بن بویہ کے قبضہ میں تھا۔ بغداد، اصفہان اور شیراز بویہی سلطنت کے بڑے شہر تھے سامانیوں کے زوال کے بعد رے پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا۔(ثروت صولت: ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ا، ۲۴۸)

۱۶۔ لین پول، مسلمان شاہی خاندان اوران کے سلسلے، ص ۱۷۰، سٹی بک پوائنٹ اردو بازار، کراچی ۲۰۰۳، ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ا،ص ۲۶۶

۱۷۔ فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ ا، ۱۲۷، مبارک علی، ڈاکٹر، عہد وسطیٰ کا ہندوستان، سانجھ ٹیمپل روڈ، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۲۳

۱۸۔ مبارک علی، ڈاکٹر، عہد وسطیٰ کا ہندوستان، ص ۲۰

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۵

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ جو دریائے سندھ کے کنارے پر حدود پشاور میں تھا۔ یہ ہندوستان کا مشہور پرانا شہر ہے ۱۰۰۳ء میں پشاور کے بعد محمود نے اس پر قبضہ کیا۔اس شہر میں بھی محمود سے پہلے مسلمانوں کی آبادی تھی البیرونی نے قانون مسعودی میں اس شہر کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ گندھار کا پایہ تخت ہے اور یہ وادی سندھ میں واقع ہے (سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، ص ۲۵۱ بحوالہ ابوالفدا ء: تقویم البلدان، ص ۳۵۷ (پیرس ۱۸۴۰ء) مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۲۲۔ ہندو شاہی خاندان کی بنیاد کلور نامی برہمن نے رکھی جو ترکی شاہی خاندان کے آخری حکمران لاگت ورمن کا وزیر تھا جے پال اس خاندان کا پانچواں راجہ تھا۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو ہندو راجہ دو بار مسلمانوں سے شکست کھائے یا ان کی

قید میں رہ چکا ہو وہ فرمانروائی کے قابل نہیں رہتا یہ چیز ایک ایسا گناہ ہے جسے آگ کے سوا کوئی اور شے پاک نہیں کر سکتی جے پال چونکہ دو مرتبہ محمود سے شکست کھا چکا تھا اس لیے سلطنت بیٹے کے حوالے کر کے خود کو آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۸۸

۲۳۔ یہ دراصل بھاٹیہ (موجودہ بھیرہ) ہے جو ملتان کا حصہ سمجھا جاتا تھا اور ایک ہندو راجہ کا دارالسلطنت تھا۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۸۹

۲۴۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ ا، ۸۹، سید محمد لطیف، تاریخ پنجاب، ص ۱۹۴، تخلیقات مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۰۳ء

۲۵۔ بصرہ کے نواح میں ایک شخص قرمط نے ملکی بدامنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال دی جس کے پیروکار قرمطی یا قرامطہ کہلاتے ہیں۔ قرامطہ کا آغاز ۸۹۱ء میں ہوا اور یہ پچاس سال تک جاری رہا جنوبی عراق اور شام ان کے ظلم وستم اور لوٹ مار کا سب سے زیادہ نشانہ بنے یہ لوگ یہاں تک بڑھ گئے کہ ۹۳۰ء میں حج کے موقع پر حاجیوں کا قتل عام کیا اور حجر اسود اٹھا کر اپنے دارالحکومت ہجر لے گئے جو بصرہ کے جنوب میں واقع تھا بعد میں فاطمی حکمران عبیداللہ کے حکم پر حجر اسود واپس کر دیا۔ (ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۱، ۲۰۵)

۲۶۔ قرامطہ نویں صدی عیسوی میں قاہرہ، عراق، حضرموت اور یمن سے مغربی پاکستان میں آنا شروع ہو گئے اور آہستہ آہستہ انہوں نے سندھ اور مغربی پنجاب میں بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر ۳۳۸، سلطان محمود کے حملہ کے وقت ملتان میں جو اسمٰعیلی خاندان حکمران تھا فارسی تاریخوں کی رو سے اس کے مورث کا نام شیخ حمید تھا اور سبکتگین کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن شیخ حمید کے پوتے ابوالفتح داؤد بن نصیر بن شیخ حمید (فارسی تواریخ میں اسے قرامطی لکھا گیا ہے۔ (تاریخ فرشتہ ا، ۹۰، سید محمد لطیف: تاریخ پنجاب، ص ۱۹۴، سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، ص ۲۰۸)

۲۷۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ ا، ۹۱، ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان ۱، ۲۷۲، سید محمد لطیف: تاریخ پنجاب، ص ۹۵

۲۸۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، (مترجم سید جمیل حسین علیگ)، ص ۲۸ تخلیقات، مزنگ روڈ لاہور ۲۰۰۱ء

۲۹۔ محمد لطیف، سید، تاریخ پنجاب، ص ۱۹۵

۳۰۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، (مترجم سید جمیل حسین علیگ)، ص ۲۹

۳۱۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ ا، ۹۵

۳۲۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، (مترجم سید جمیل حسین علیگ)، ص ۲۹

۳۳۔ نگرکوٹ اور کوٹ کانگڑہ ایک ہی مقام ہے نگرکوٹ اب تک رائج ہے۔ اس کے گرد بان گنگا اور بیاس دو ناقابل عبور دریا بہتے ہیں۔ بھیم کا شہر قلعہ سے ایک میل پر ہے اب یہ مقام بھوم کہلاتا ہے۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۵۱

۳۴۔ سید محمد لطیف، تاریخ پنجاب، ص ۱۹۷

۳۵۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۳۰

۳۶۔ ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان ۱:۴:۲۷

۳۷۔ ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان ۱:۴:۲۷

۳۸۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ ۱، ۹۸، ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان ۱:۲۸۰۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۳۱

۳۹۔ البقرۃ ۲:۲۵۶

۴۰۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۳۱

۴۱۔ ایضاً، ص ۳۲

۴۲۔ بلوات کے پہاڑوں میں قلعہ نندنا واقع تھا۔ محمد لطیف، سید، تاریخ پنجاب، ص ۱۹۸

۴۳۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۳۲

۴۴۔ فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۱۰۲

۴۵۔ برن بلند شہر، ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کا ایک شہر ہے یہ شہر کالی ندی کے کنارے جو شہر کے پاس بہتی ہوئی گزرتی ہے، ایک اونچی جگہ پر آباد ہے اور اسی اونچائی کے سبب اسے بلند شہر کہا جاتا ہے اس شہر کا قدیم نام اس کے بانی اھی برن کے نام پر برن تھا۔ ۱۰۱۸ء میں اسے سلطان محمود غزنوی نے فتح کیا، یہاں کے ہندو راجا نے محمود غزنوی کی اطاعت کر لی اور اپنی دس ہزار رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا، بعد میں اس کی اولاد نے اسلام ترک کر دیا، ۱۱۹۳ء میں قطب الدین ایبک نے اس شہر کو فتح کر کے اپنے داماد اور جانشین التمش کو دے دیا۔ اورنگ زیب میں یہاں کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اٹھارہویں صدی عیسوی میں مرہٹے شہر کو تباہ کر کے خود اس پر قابض ہو گئے، ۱۸۰۳ء میں یہ شہر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا، ۱۸۵۷ء میں اس شہر کی حالت بڑی ابتر رہی۔ اب یہ اندرونی اور بیرونی تجارت کا ایک روبہ ترقی مرکز ہے، ضلع بلند شہر دوآب گنگ وجمن کے میدانوں میں واقع ہے۔ آبادی پچیس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، زیادہ تر رقبہ مزروعہ ہے مغلیہ دور سے اب تک یہ علاقہ خوش حال رہا ہے۔ (سید قاسم محمود: شاہکار اسلامی انسائکلو پیڈیا ۱:۴۰۷، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار، لاہور ۲۰۰۵ء)

۴۶۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ۱ ص ۱۰۴، محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۳۴

۴۷۔ م۔ن

۴۸۔ جمنا کے دوسرے کنارے پر متھرا کا شہر واقع تھا جہاں سری کرشن پیدا ہوئے تھے ہندوؤں کے نزدیک کرشن خدا کے

اوتار ہیں۔ متھرا کی دولت، عمارات اور آبادی اپنی مثال آپ ہے یہ شہر راجہ دہلی کے زیر نگین تھا۔ (فرشتہ: تاریخ فرشتہ ا:۱۰۴)

۴۹۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ ج ا، ص ۱۰۶، محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۳۵

۵۰۔ قنوج گنگا کے مغرب میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔ گنگا کے مشرق میں بازی کے پایہ تخت ہو جانے سے اس کا بیشتر حصہ ویران ہو گیا ہے دونوں شہروں کے درمیان چار روز کی مسافت ہے، البیرونی، کتاب الہند، ج ا، ص ۱۹۹، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۶۵ء

۵۱۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۱۰۴

۵۲۔ محمد لطیف، سید، تاریخ پنجاب، ص ۲۰۰

۵۳۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۱۱۲

۵۴۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی، ص ۱۲۵، ۱۰۴، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور ۱۹۹۷ء

۵۵۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۱۱۵

۵۶۔ محمود نہایت پریشانی کے علم میں تھا کہ اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی محمود نے شیخ ابوالحسن خرقانی کا جبّہ ہاتھوں میں لے کر خضوع وخشوع سے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا مانگی اور حملہ کر دیا۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ ہیں محمود نے ان سے خراسان میں ملاقات کی۔ آپ نے اس وقت انہیں ایک جبہ (خرقہ) عطا کیا تھا۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، س ۱۳۴

۵۷۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۱۲۲

۵۸۔ ایضاً، ۱۲۳، محمد لطیف، سید، تاریخ پنجاب، ص ۲۰۳

۵۹۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص ۱۲۶

۶۰۔ اکرام، محمد شیخ، آب کوثر، ص ۶۰ بحوالہ تارا چند، ڈاکٹر، مختصر تاریخ اہل ہند (ترجمہ) ص ۱۲۲، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور ۱۹۹۴ء

۶۱۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، مترجم سید جمیل حسین علیگ، ص ۴۷

۶۲۔ ذکا اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ا، ص ۳۰۴

۶۳۔ ہندوؤں میں ذات کا امتیاز ایک خاص شے ہے اور اس کا بندھن اتنا سخت ہے کہ اعلیٰ ذات کا برہمن کھشتری اور اس سے ادنی ویش کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتا اور مسلمان تو ہندوؤں کے نزدیک ملیچھ تھے اس لیے مسلمانوں کی قید میں رہ کر کوئی ہندو، ہندو نہیں رہ سکتا تھا اس لیے جب کبھی سلاطین اسلام کا مقابلہ کسی ہندو راجہ سے ہوا اور وہ مقابلہ نہ کر پایا تو وہ پہلے ہی یہ سمجھ چکا ہوتا تھا کہ اگر قیدی ہوا تو ہندو برادری سے خارج تصور ہوگا۔ عباد اللہ اختر، مشاہیر اسلام، ص ۱۳۶، تخلیقات مزنگ

روڈ، لاہور، س۔ن

۶۴۔ ہندوؤں نے خود کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا ہوا ہے، برہمن، کھشتری، ویش، شودر سب سے اونچی ذات برہمن کی سمجھی جاتی ہے، دوسرے نمبر پر کھشتری ہیں جو ملکی دفاع کے لیے موضوع سمجھے جاتے ہیں تیسرے نمبر پر ویش آتے ہیں جن سے تجارت، کھیتی باڑی وغیرہ اور مختلف پیشے منسوب کیے جاتے ہیں اور اس سماج کی چوتھی تقسیم میں شودر آتے ہیں جنہیں نیچ ذات اور اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ بلگرامی، علی سید، تمدن ہند ص ۲۶۶، مقبول اکیڈمی، لاہور س۔ن

۶۵۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، ص ۷۵

۶۶۔ الحج: ۲۲: ۴۰

۶۷۔ القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القران، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۸۹ء، ج ۲، ص ۷۰

۶۸۔ الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، النکت والعیون، المعروف بتفسیر الماوردی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، س۔ن، ج ۳، ص ۸۴

۶۹۔ روزنامہ ایکسپریس، ۱۱/ ۷/ ۰۶

۷۰۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، بیکن بکس، ملتان ۱۹۸۹ء، ص ۸۰

۷۱۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۱۱۷

۷۲۔ مبارک علی، عہد وسطیٰ کا ہندوستان، ص ۲۵

۷۳۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، سید، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، عباد پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء، ج ۱، ص ۴۴

۷۴۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، سید، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ج ۱، ص ۴۴

۷۵۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، سید، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ۱: ۴۵ بحوالہ جوامع الحکایات ولوامع الروایات اردو مترجم اختر شیرانی، ص ۸۶۔۸۴

۷۶۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، سید، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ۱: ۴۶

۷۷۔ جواہر لال نہرو، تلاش ہند، تخلیقات، ٹیمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۳۰۵

۷۸۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی، ص ۱۳۰

۷۹۔ ایضاً، قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، ص ۳۷، نگارشات ٹیمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۳۳۵

۸۰۔ محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی، ص ۳۲

۸۱۔ خالد محمود، داتا گنج بخش اور ان کا عہد، مقبول بکس لنک روڈ، لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۸۷

۸۲۔ فرشتہ،تاریخ فرشتہ، ج۱،ص۱۴۲

۸۳۔ خالدمحمود، داتا گنج بخش اوران کا عہد،ص۸۷

۸۴۔ تاراچند، ڈاکٹر، ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات ،مترجم سعودالحسن خان روہیلہ،ص۱۷۲،غزنوی کتب خانہ،کوئٹہ۲۰۰۷۔محمد حبیب، پروفیسر، سلطان محمود غزنوی،ص۸۸۔عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر،مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی،ص۱۵۱بحوالہ بیہقی،۴۰۷

۸۵۔ فرشتہ،تاریخ فرشتہ، ج۱،ص۱۴۹

۸۶۔ تاراچند،ڈاکٹر ج، ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات،مترجم سعودالحسن خان روہیلہ،ص۱۷۲

۸۷۔ سیستان یا سجستان مشرقی ایران اور جنوبی ومغربی افغانستان کا علاقہ۔ساسانی دور میں یہ زرتشتی مذہب کا مرکز تھا، مسلمانوں کے ماتحت یہ آٹھویں صدی عیسوی میں، سیستان کا دارالحکومت زرنج تھا (موجودہ زابول سے بیس میل مشرق کی طرف) یہ صفاری خاندان کا مرکز حکومت رہا، جس نے یہاں عباسیوں کے ماتحت کچھ مدت حکومت کی، اس کے بعد کے دارالحکومت زاہدان کو تیمور نے ۱۳۸۳ء میں برباد کیا اور سیستان کی خوشحالی کا بھی خاتمہ کر دیا۔دور جدید میں سولہویں صدی سے تصفیہ سرحدات تک (جو۱۸۷۲ء میں شروع ہوکر۱۹۰۵ء میں مکمل ہوا) اس علاقہ پر ہرات اور افغانستان نے حق جتایا تھا۔ایرانی سیستان کا اہم ترین شہر زابل ہے جو۱۹۳۸ء میں آٹھویں صوبہ کا حصہ ہوگیا، افغانی سیستان کا مرکز خاقان سور مقرر ہوا۔قاسم محمود،سید،شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ج۲،ص۱۰۵۵

۸۸۔ یہ سیستان کا اس وقت پایہ تخت تھا جس کے کھنڈرات زاہدان کے قریب پائے جاتے ہیں (قاسم محمود،سید،شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲:۱۰۵۵۔ابوالحسن ندوی، سید مولانا: تاریخ دعوت وعزیمت، بحوالہ طاہر مقدسی،احسن التقاسیم۳:۲۴،مجلس نشریات اسلام،کراچی، ۱۹۷۹ء

۸۹۔ خالدمحمود، داتا گنج بخش اوران کا عہد،ص۸۷

۹۰۔ اشتیاق حسین قریشی،سلطنت دہلی کا نظم حکومت،مترجم ہلال احمد زبیری،شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ،کراچی یونیورسٹی، کراچی،۱۹۷۱ء،ص۲۹۱

۹۱۔ جواہرلال نہرو،تلاش ہند،ص۳۰۳

۹۲۔ خالدمحمود، داتا گنج بخش اوران کا عہد،ص۸۷